

"قلم سجدے سے لالہ زارِ نعت تک": لالہ صحرائی کی حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اسلوب

"FROM QALAM SAJDAY TO LALA ZAR-E-NAAT": THE POETIC STYLE OF LALA SAHRAI'S DEVOTIONAL AND EULOGISTIC POETRY

Saira Kiran^{*1}, Dr. Irfan Tauheed²

^{*1}PhD Scholar Department of Urdu, The University of Faisalabad

²Assistant Professor Department of Urdu (Adjunct), The University of Faisalabad

DOI: <https://doi.org/10.5281/zenodo.23384915>

Keywords

Lala Sahrai, Urdu Naat, Hamd, Devotional Poetry, Stylistic Analysis, Uswah al-Hasanah, Modern Urdu Literature.

Article History

Received: 25 June 2026

Accepted: 16 September 2026

Published: 15 October 2026

Copyright @Author

Corresponding Author: *

Saira Kiran

Abstract

This text presents a comprehensive critical and stylistic evaluation of the devotional and literary contributions of Chaudhary Muhammad Sadiq, widely known in Urdu literature as Lala Sahrai. Under the thematic framework of "Qalam Sajday Se Lala Zar-e-Naat Tak", it traces the poet's internal spiritual evolution and artistic maturation. Moving away from conventional, passive devotion, Sahrai's poetic universe establishes a profound structural continuum between Hamd (praise of God) and Naat (praise of Prophet Muhammad ﷺ). The analytical evaluation demonstrates how his work rejects hyperbole and strict lexical complexity in favor of Sahl-e-Mumtani (artful simplicity), combining lyrical fluidity with strict adherence to jurisprudential and spiritual boundaries (Adab). Furthermore, it highlights Sahrai's distinct critical relevance to contemporary times; he transforms the genre of Naat into an active socio-ethical discourse by presenting the prophetic model (Uswah al-Hasanah) as the ultimate remedy for modern societal and existential crises. Drawing thematic sustenance from Iqbalian thought while maintaining an independent, quietist Sufistic tone, Lala Sahrai's literary legacy stands as a defining benchmark of intellectual depth and technical mastery in 20th-century Urdu Islamic poetry.

اردو کی اسلامی شعری روایت میں بیسویں صدی کا نصفِ آخر فکری طہارت، موضوعاتی گہرائی اور اسلوب کی ندرت کے لحاظ سے سبکِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو کی اسلامی شاعری، بالخصوص حمد و نعت کے میدان میں بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں کئی ایسے نام ابھرے جنہوں نے اپنی زندگی اور تخلیقی صلاحیتوں کو مدحتِ رسول ﷺ اور توحید باری تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا۔ اس دور میں روایتی اور محض رسمی عقیدت نگاری کے برخلاف توحید باری تعالیٰ اور مدحتِ رسول ﷺ کو انسانی وجود کے داخلی اور عصری شعور کے ساتھ ہم آہنگ کیا گیا۔ اسی علمی و ادبی تسلسل کی ایک انتہائی معتبر نام چوہدری محمد صادق ہیں، جنہیں دنیائے ادب لالہ صحرائی کے نام سے جانتی ہے۔ امرتسر کی زرخیز مٹی سے جنم لینے والا اور پھر پاکستان کی دھرتی (جہانیاں، ملتان) کو اپنا مسکن بنانے والا یہ قلم کار، اردو حمد و نعت کی تاریخ میں ایک منفرد باطنی اسلوب کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا شعری سفر محض الفاظ کی جادوگری نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ کی وہ داستان ہے جو "قلم سجدے" سے شروع ہو کر "لالہ زارِ نعت" کی صورت میں مہکتی نظر آتی ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر میں جب اردو کا مذہبی ادب روایتی عقیدت نگاری اور یکسانیت کا شکار ہو رہا تھا، چوہدری محمد صادق المعروف لالہ صحرائی نے صنفِ حمد و نعت کو ایک بالکل نیا فکری تناظر اور اسلوبیاتی شکوہ عطا کیا۔ تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کی حمدیہ و نعتیہ خدمات محض مروجہ اصطلاحات کی نہیں، بلکہ قلب کی سچی گواہی ہیں۔ امرتسر کی علمی فضا میں آنکھ کھولنے اور پھر ہجرت کے بعد جہانیاں (ملتان) کی مٹی کو مہکانے والے اس مخلص قلم کار نے مابعد الطبیعیاتی حقیقتوں کو انسانی وجود کی داخلی سچائی بنا کر پیش کیا۔ ان کا شعری اثاثہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے مدحت نگاری کو ایک مقدس و وظیفہ حیات بنا کر برتا۔



لالہ صحرائی کی تخلیقی کائنات کی پہلی مضبوط سیزھی بارگاہِ احدیت میں عجز و انکسار کا وہ والہانہ اظہار ہے جو ان کے مجموعے "قلم سجدے" کے عنوان سے ہی آشکار ہوتا ہے۔ ان کی حمدیہ خدمات کا علمی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قلم جب بھی تخلیق کے مراحل سے گزرتا ہے، وہ کائنات کے مادی ہنگاموں سے کٹ کر پہلے خدا کی ربوبیت کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے۔ ان کے ہاں خدا کی صفات کا بیان محض لغوی گنتی یا قافیہ پیمائی کا نام نہیں، بلکہ مظاہر فطرت کی جاری تسبیح الہی کا وجدانی مشاہدہ ہے۔ یہی فکری اساس ان کے کلام کو ایک ایسی طہارت بخشتی ہے جو بعد میں ان کی نعتیہ شاعری کے لیے بھی سنگِ بنیاد ثابت ہوتی ہے:

"ماگلوں میں کیوں کسی سے خدایا ترے سوا؟

مالک ہے جب کہ تو ہی فقط، کائنات کا!" (۱)

حمدیہ عجز کے اسی صراطِ مستقیم سے گزر کر جب لالہ صحرائی کا قلم وادیِ نعت میں قدم رکھتا ہے، تو "لالہ زارِ نعت" کا ایک ایسا شاداب چمنستان وجود میں آتا ہے جس کی خوشبو اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ان کی نعتیہ خدمات کا سب سے ممتاز رخ یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ عشق کو صرف چند جمالیاتی نعروں یا سرِ اُپا نگاری تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں نعت کا اصل مقصد اسوۂ حسنہ کا عملی ابلاغ اور رسالتِ مآب ﷺ کے لئے ہوئے آفاقی نظامِ حیات کو عصرِ حاضر کے اخلاقی و سماجی زوال کا واحد حل بنا کر پیش کرنا ہے۔ یہ انقلابی اسلوبِ نعت کو محض ایک صنفِ سخن نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک فکری تحریک میں تبدیل کر دیتا ہے۔

فنی اور اسلوبیاتی حُسن کے اعتبار سے لالہ صحرائی کا مرتبہ اپنے بہت سے معاصرین میں اس لیے بلند ہے کہ انہوں نے عشق کی شدید طغیانی کے باوجود صنفِ نعت کے آداب اور شرعی حدود کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ انہوں نے غزل کی روایتی شوخی اور مجازی اصطلاحات کے بوجھل پن کو نعت کے تقدس پر حاوی نہیں ہونے دیا، بلکہ ایک ایسا دھیمہ، سنجیدہ اور صوفیانہ لہجہ چنا جو دلوں پر رقت طاری کر دیتا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کی فکری روایت سے نظریاتی توانائی حاصل کرنے کے باوجود ان کا لہجہ اپنی سادگی اور پرکاری کی وجہ سے منفرد دکھائی دیتا ہے۔ ان کی یہ لازوال حمدیہ و نعتیہ خدمات اردو کے مذہبی ادب میں ہمیشہ فکری چٹنگی اور قلبی اخلاص کا ایک معتبر استعارہ تسلیم کی جائیں گی:

"اے میرے خدا جلوہ جاں تاب دکھا دے

بیار گنہ ہوں، مجھے رحمت سے شفا دے" (۲)

لالہ صحرائی کی شاعری کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ان کی تخلیقی پرواز کا محور خالصتاً روحانی اور مقصدی نظر آتا ہے۔ ان کا قلم جب بارگاہِ الہی میں عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے تو وہ "قلم سجدے" کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور یہی قلم جب عرفانِ خداوندی کی حدود سے گزر کر حبِ مصطفیٰ ﷺ کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے، تو "لالہ زارِ نعت" کا چمنستان مہک اٹھتا ہے۔ ان کی یہ فکری اساس اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ نعت گوئی کے لیے صرف فن کی چٹنگی ہی نہیں، بلکہ دل اور قلم کا با وضو ہونا بھی ناگزیر ہے۔ لالہ صحرائی کی حمدیہ کلام کی بنیاد عجز و انکسار اور فکری طہارت پر ہے۔ ان کا مجموعہ "قلم سجدے" اس بات کا عکاس ہے کہ جب وہ لکھنے کے لیے قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم مادی دنیا سے کٹ کر بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری میں روایتی الفاظ کے بجائے کائنات کے ذرے ذرے میں خدا کی موجودگی اور اس کی ربوبیت کا اعتراف ملتا ہے۔ وہ انسانی عقل کی بے بسی اور خدا کی لامتناہی طاقت کو اپنے اشعار کا موضوع بناتے ہیں۔ ان کا ماننا تھا کہ حمد گوئی کے لیے زبان سے زیادہ دل کا صاف ہونا ضروری ہے، اور یہی تقدس ان کی شاعری کو منفرد بناتا ہے:

"ہے جو معبود حاکمین، تُو ہے

خالق و ربِ عالمین، تُو ہے" (۳)

لالہ صحرائی کا مجموعہ "قلم سجدے" محض حمدیہ شاعری کی روایتی کتاب نہیں، بلکہ یہ صنفِ حمد کے اسلوبیاتی زوال کے خلاف ایک فکری ردِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مابعد جدید دور میں جہاں مادی تصورات نے مابعد الطبیعیاتی سچائیوں کو دھندلا دیا تھا، وہاں لالہ صحرائی نے کائنات کے ذرے ذرے میں جاری تسبیح الہی کو انسانی وجدان کا حصہ بنایا۔ ان کے ہاں حمد گوئی صرف صفاتِ باری تعالیٰ کی لغوی گنتی کا نام نہیں، بلکہ یہ مظاہر فطرت کے مشاہدے سے حاصل ہونے والے اس داخلی یقین کا بیان ہے جو انسان کو مٹی کی مادی قید سے آزاد کر کے ابدیت سے جوڑتا ہے۔ وہ بظاہر سادہ و محور کا انتخاب کرتے ہیں، مگر ان کے مصرعوں کے مابین فکری گہرائی اور عجزِ انسانی کا اعتراف ان کے شعری مرتبے کو معاصرین میں نمایاں کرتا ہے:

"مصیبت میں تجھ کو سبھی نے پکارا

وہ منکر ہو یا تیرا مومن ہو، مولا!" (۴)

نعتیہ ادب کی تنقید میں یہ بحث ہمیشہ کلیدی رہی ہے کہ نعت کو صرف جمالیاتی سراپانگاری اور معجزات کے تذکرے تک محدود ہونا چاہیے یا اسے تحریکِ عمل کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ جب ہم "لالہ زار نعت" کا جائزہ لیتے ہیں، تو لالہ صحرائی کا قلم ایک مصلحت کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ انہوں نے نعت کو دربار رسالت ﷺ میں پیش کیے جانے والے رسمی گلدستے کے بجائے ایک زندہ، متحرک اور آفاقی نظامِ حیات کے ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔ ان کی نعت گوئی میں شرعی حدود سے تجاوز کی کوئی گنجائش نہیں ملتی۔ وہ مدحت رسول ﷺ کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عصر حاضر کے زوال پذیر مسلم معاشرے کا نوجہ بھی لکھتے ہیں اور اس کا مداوا اتباعِ سنت میں تلاش کرتے ہیں۔ یہ اسلوبِ نعت کو ایک نیا سماجی اور آفاقی تشخص عطا کرتا ہے:

"باطل کسی بھی طور نہیں حق کو سازگار
قرآن نے کیا ہے یہی راز آشکار" (۵)

لالہ صحرائی کی شاعری کا سب سے مضبوط پہلو ان کا فکری ارتقا ہے، جو لفظ کی حرمت اور سجدے کی طہارت کے باہمی ملاپ سے عبارت ہے۔ ان کا تخلیقی سفر لفظوں کی جادوگری کی خواہش سے مبرا ہے؛ ان کے ہاں فکر کا دھارا "قلم سجدے" کی توحیدی تڑپ سے پھوٹتا ہے اور رسالت مآب ﷺ کے اسوہ حسنہ کے "لالہ زار" پر آکر اپنی معراج پاتا ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کے فکری سرمائے سے نظریاتی توانائی کشید کی، مگر اپنے تخلیقی وجود کو روایتی نقالی سے محفوظ رکھا۔ ان کی زبان میں وہ متانت، دھیمپان اور سوز و گداز پایا جاتا ہے جو قاری کو سستی جذباتی رو میں بہانے کے بجائے سنجیدہ فکری خود احتسابی کی دعوت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حمد و نعت علمی حلقوں میں فکری چٹنگی کا استعارہ تسلیم کی جاتی ہے۔

لالہ زار نعت: مدحت رسول ﷺ کا گلستان

نعتیہ شاعری کے میدان میں لالہ صحرائی کا مجموعہ "لالہ زار نعت" اردو ادب کا ایک بیش بہا اثاثہ ہے۔ مجموعہ "لالہ زار نعت" محض عقیدت کے پھولوں کا کوئی روایتی گلدستہ نہیں، بلکہ یہ لالہ صحرائی کے قلب سے پھوٹنے والا مدحت رسول ﷺ کا وہ شاداب گلستان ہے جس کا ہر ورق محبتِ نبوی کی خوشبو سے معطر ہے۔ تنقیدی حوالے سے دیکھا جائے تو اس مجموعے کا نام بذاتِ خود اس فکری زرخیزی کی علامت ہے جو صحرائی جیسے خشک اور کٹھن حالات میں بھی عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی بدولت ایک سرسبز چمنستان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ لالہ صحرائی کے ہاں نعت گوئی ایک ایسے داخلی اور وجدانی تجربے کا نام ہے جہاں شاعر الفاظ کی ظاہری چمک دمک کے پیچھے نہیں بھاگتا، بلکہ اس کا پورا وجود رسالت مآب ﷺ کی عظمت کے گہرے احساس میں ڈوب جاتا ہے۔ ان کی نعتوں میں پایا جانے والا سوز و گداز اور الہانہ پین قاری کو ایک ایسے روحانی حصار میں لے لیتا ہے جہاں مادی دنیا کی تلخیاں دم توڑ دیتی ہیں۔

نعتیہ شاعری کے لیے سب سے کٹھن مرحلہ فن کے تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے شرعی حدود اور آدابِ بارگاہِ رسالت کا پاس رکھنا ہے۔ مجموعہ "لالہ زار نعت" کا علمی و فنی مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ لالہ صحرائی اس فن سے آشنا ہیں۔ انہوں نے اردو نعت میں در آنے والے روایتی مبالغہ آرائی اور حد سے بڑھے ہوئے رجحانات کی سختی سے نفی کی، کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کی سچی تعریف کے لیے کسی مصنوعی ملمع کاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا قلم تقریب اور افراط کے مابین ایک ایسا متوازن راستہ تلاش کرتا ہے جہاں ایک طرف تو عشق و شینگی کی انتہا نظر آتی ہے، اور دوسری طرف توحید اور رسالت کے درجات کا فرق اتنی باریکی سے برقرار رہتا ہے کہ کہیں بھی لغزش کا گمان تک نہیں ہوتا:

"میرے حضور، میرا تو ایمان آپ ہیں
یہ کائنات جسم ہے، اور جان آپ ہیں" (۶)

لالہ صحرائی کی نعت گوئی کا ایک اور اہم تنقیدی رخ یہ ہے کہ وہ مدحت رسول ﷺ کو صرف جمالیاتی سراپانگاری، چہرے اور زلفوں کے تذکرے یا محض ماضی کے معجزات کے بیان تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں "لالہ زار نعت" دراصل حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے آفاقی پیغامِ انقلاب اور اسوہ حسنہ کو عصر حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل کا واحد حل بنا کر پیش کرنے کا ایک فکری مورچہ ہے۔ وہ دورِ جدید کے انسان کی فکری آوارگی، مسلم معاشرے کے زوال اور اخلاقی پستی کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ اسی لیے ان کی نعتیں امتِ مسلمہ کو دورِ نبوی کی عظمت کی طرف لوٹ جانے اور سیرتِ طیبہ کی عملی پیروی کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، جو نعت کو ایک اعلیٰ مقصدی اور انقلابی صنف بنا دیتا ہے:

"میرے آقا کی مجھ پر نظر ہو گئی
لو، شبِ جاں کی آخر سحر ہو گئی" (۷)

"لالہ زار نعت" اردو کے نعتیہ ادب میں ایک ممتاز اور بلند مقام پر فائز ہے۔ لالہ صحرائی نے اپنے اس گلستانِ نعت کی آبیاری کے لیے جن بحور، قوافی اور ردیفوں کا انتخاب کیا ہے، ان میں ایک خاص قسم کا داخلی ترم اور صوتی آہنگ پایا جاتا ہے جو دلوں پر رقت طاری کر دیتا ہے۔ ان کی زبان انتہائی فصیح، سادہ مگر پر وقار ہے، جس میں سستی جذباتیت کے بجائے ایک مفکرانہ متانت اور دھیمپان پایا جاتا ہے۔ وہ روایتی غزل کے اسلوب کو نعت کے تقدس پر حاوی نہیں ہونے دیتے، بلکہ ان کا اسلوب صنفِ نعت کے اپنے مزاج کے عین مطابق بحر و انکسار اور فکری طہارت کا عکاس ہے۔ یہی اسلوبیاتی چٹنگی ان کے کلام کو وقتی تاثر سے بلند کر کے دائمی ادبی و علمی مایہ ناز سرمائے میں تبدیل کر دیتی ہے۔

عشق رسول ﷺ کی فراوانی:

لالہ سحرائی کی نعتیہ شاعری کا سب سے نمایاں وصف عشق رسول ﷺ کی وہ فراوانی ہے جو ان کے پورے کلام میں ایک پھرے ہوئے سمندر کی طرح رواں دواں دکھائی دیتی ہے۔ ان کی نعتوں میں مبالغہ آرائی کے بجائے گہرا عشق، عقیدت اور سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں یہ عشق محض ایک روایتی دعویٰ یا قافیہ پیمائی نہیں، بلکہ ایک باقاعدہ فکری نظام ہے۔ وہ جب مدحت سرور کائنات ﷺ کا آغاز کرتے ہیں، تو جذباتوں کی طغیانی کے باوجود ان کے شعور کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری قاری کو سستی جذباتی رو میں بہانے کے بجائے ایک عمیق صوفیانہ اور ایمانی حلاوت سے سرشار کرتی ہے۔

عشق مصطفیٰ ﷺ کی یہ فراوانی لالہ سحرائی کو مبالغہ آرائی کے ان خطرناک راستوں پر جانے سے روکتی ہے۔ تنقیدی حوالے سے ان کی یہ صفت انتہائی منفرد ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں انتہائی درجے کے والہانہ پن کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ ان کے چودہ نعتیہ مجموعے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے وجود کی تمام تر فکری اور جذباتی توانائیاں بارگاہ رسالت ﷺ میں عجز و انکسار کے ساتھ نچھاور کر دیں، مگر کبھی بھی لفظ کی حرمت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا:

"رغبت نہیں رہی ہے کسی اور کام سے
بس واسطہ ہے مدحتِ خیر الانام سے" (۸)

لالہ سحرائی کے ہاں عشق رسول ﷺ کی فراوانی کا ایک اور رخ یہ ہے کہ وہ اس مابعد الطبیعی جذبے کو انسانیت کے لیے ایک متحرک قوت عمل میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی ذات سے والہانہ وابستگی کو صرف چند جمالیاتی نعروں یا الفاظ کی جادوگری تک محدود نہیں رکھتے، بلکہ ان کے ہاں عشق کا سچا تقاضا اسوۂ حسنہ کی عملی پیروی ہے۔ وہ حسب نبوی کو امت مسلمہ کے موجودہ زوال کا علاج اور فکری فلاح کا واحد ذریعہ گردانتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں پایا جانے والا توبہ کا عنصر مسلمانوں کو ماضی کی عظمت کی یاد دلاتا ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو قالب مصطفیٰ ﷺ میں ڈھال کر دنیا میں دوبارہ سرخرو ہوں۔

لالہ سحرائی کے فنی اسلوب کا جائزہ لیا جائے، تو عشق کی یہ فراوانی ان کے الفاظ کے انتخاب اور صوتی آہنگ سے بھی جھلکتی ہے۔ لالہ سحرائی نے علامہ اقبال کی فکری روایت اور صوفیانہ سوز و دروں سے گہرا اثر لیا ہے۔ ان کے کلام میں جو دھیماپن، متانت اور باوقار سوز پایا جاتا ہے، وہ ان کے دل میں لگی مدحت کی اسی چنگاری کا نتیجہ ہے۔ ان کے اشعار کی موسیقی اور بحور کا بہاؤ قاری کے دل پر ایک خاص قسم کی رقت طاری کرتا ہے۔ یہ اسلوبیاتی چنگی اور قلبی اغلاص ہی ہے جس نے لالہ سحرائی کے کلام کو روایتی نعت گوئی کے دائرے سے نکال کر اردو کے مذہبی ادب میں ایک پائیدار اور معتبر مقام عطا کیا ہے۔

سیرت پاک کا ابلاغ:

لالہ سحرائی کی نعت صرف جمال مصطفیٰ ﷺ کے تذکرے تک محدود نہیں، بلکہ وہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام، عدل، اور اسوۂ حسنہ کو عصر حاضر کے مسائل کا حل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ لالہ سحرائی کی نعتیہ بصیرت کا ایک نمایاں وصف نعت کو صرف روایتی جذباتی وابستگی تک محدود نہ رکھتا، بلکہ اسے سیرت پاک ﷺ کے حقیقی اور آفاقی ابلاغ کا ذریعہ بنانا ہے۔ انہوں نے تاریخی شعور کو نعت کے خمیر میں اس طرح سمو یا کہ ان کا کلام محض ایک مدحیہ صنف نہیں رہتا، بلکہ رسالت مآب ﷺ کے تاریخی اور انقلابی کردار کا ایک جامع علمی صحیفہ بن جاتا ہے۔ ان کے ہاں سیرت کا ابلاغ ایک سوچے سمجھے فکری و مقصدی نظریے کے تحت ہوتا ہے، جو قاری کو اسوۂ حسنہ کے فہم کی دعوت دیتا ہے:

"در بارِ عشق احمد مرسلؐ کا ہوں گدا
مل جائے اک نگاہ کی خیرات اے خدا" (۹)

لالہ سحرائی کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اسوۂ رسول ﷺ کو عصر حاضر کی اخلاقی گمراہی کا واحد متبادل اور علاج تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں حضور اکرم ﷺ کی صفات عالیہ جیسے عدل، عفو و درگزر، مساوات، اور غریب پروری کو محض ماضی کے قصوں کے طور پر پیش نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں دورِ جدید کے انسان کے لیے مشعلِ راہ بنایا گیا ہے۔ وہ اپنے شعری تخلیقات کے ذریعے ایک ایسے پر امن اور مثالی معاشرے کا نقشہ کھینچتے ہیں جس کی بنیادیں سیرت طیبہ کی اخلاقی قدروں پر استوار ہوں۔ یہ اخلاقی ابلاغ ان کے کلام کو وقتی تاثر سے بلند کر کے ایک مستقل سماجی اور تربیتی بیانیے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

لالہ سحرائی کی نعت گوئی کا ایک اور اہم نکتہ ہے کہ وہ امت مسلمہ کے موجودہ فکری اور سیاسی زوال پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ موجودہ دور کے مسلمانوں کی فکری آوارگی اور اخلاقی پستی کا نوحہ لکھتے ہوئے مایوسی پھیلانے کے بجائے، اس کا حل سیرت پاک ﷺ کی طرف مراجعت میں تلاش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں سیرت کا ابلاغ کوئی جامد تصور نہیں، بلکہ ایک متحرک

قوت عمل ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ مسلم امہ کی بقا اور دنیا میں دوبارہ سرخروئی اسی وقت ممکن ہے جب وہ حضور ﷺ کے لئے ہوئے نظام حیات اور اسوۂ حسنہ کو عملی طور پر اپنے انفرادی اور اجتماعی وجود کا حصہ بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں ایک بیداری کا پیغام بن کر ابھرتی ہیں۔

فنی اور اسلوبیاتی محاسن کے اعتبار سے، سیرت پاک ﷺ کے اس ابلاغ کے لیے لالہ صحرائی نے جس متانت اور فصیح زبان کا انتخاب کیا ہے، وہ ان کے فکری وقار کی عکاس ہے۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سیرت جیسے سنجیدہ اور مقدس موضوع کے لیے غزل کی روایتی شوخی یا سستی مبالغہ آرائی سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ان کا اسلوب صوفیانہ دھیمے پن، علمی گہرائی اور گہرے سوز و گداز سے عبارت ہے۔ وہ علامہ اقبال کی فکری روایت کی پیروی کرتے ہوئے الفاظ کو ایک خاص تاریخی اور نظریاتی شکوہ عطا کرتے ہیں، جس سے بیانیے کا تقدس برقرار رہتا ہے۔ یہی اسلوبیاتی چنگی ان کے کلام کو اردو کے مذہبی اور نعتیہ ادب میں ایک پائیدار اور معتبر دستاویز بناتی ہے۔

فنی چنگی:

لالہ صحرائی نعت کے روایتی آداب اور حدودِ شرع کا سخت احترام کرتے ہیں۔ ان کی نعت گوئی میں فن کی چنگی اور بحور کا انتخاب پڑھنے والے پر رقت طاری کر دیتا ہے۔ لالہ صحرائی کی حمد یہ نعتیہ شاعری کا سب سے مضبوط پہلو ان کی وہ فنی چنگی ہے جو مروجہ کلاسیکی شعری روایات اور عروضی اصولوں کی مکمل پاسداری سے عبارت ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مابعد جدید دور میں جہاں آزاد نظم اور فکری انتشار نے روایتی بحور و اوزان کو متاثر کیا، وہاں لالہ صحرائی نے غزل اور نظم کی روایتی بحور پر اپنی گرفت کو مضبوط رکھا۔ ان کے چودہ شعری مجموعے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے علم عروض کے مشکل ترین سانچوں کو بھی اپنی فکری تڑپ کے لیے نہایت سہولت کے ساتھ استعمال کیا۔ ان کے ہاں قوانین کا چناؤ اور ردیفوں کا نہایت محض مجبوری نہیں، بلکہ ان کے شعری آہنگ کو ایک خاص وقار اور استحکام بخشنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

لالہ صحرائی کی نعت میں ایک خاص قسم کی صوفیانہ متانت، سنجیدگی اور دھیما پن پایا جاتا ہے۔ وہ الفاظ کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیا جانے والا ہر مصرع نہ صرف لغوی اعتبار سے فصیح ہو، بلکہ وہ عجز اور والہانہ پن کا ایک متوازن امتزاج بھی پیش کرے:

"امت پہ تری غیروں کی بیداد ہے آقا
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے آقا" (۱۰)

فنی و اسلوبیاتی محاسن کے اعتبار سے لالہ صحرائی کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت اس کا صوتی آہنگ اور اندرونی موسیقی ہے۔ ان کی منتخب کردہ بحور میں ایک ایسا فطری بہاؤ پایا جاتا ہے جو قاری کے دل پر براہِ راست اثر کرتا ہے اور رقت طاری کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی، ان کی شاعری میں پیکر تراشی کا ایک منفرد نظام موجود ہے۔ وہ جب مظاہر فطرت، کائنات کی تسبیح، یا دیارِ حرم کا نقشہ کھینچتے ہیں، تو الفاظ کے ذریعے ایک پورا منظر نامہ قاری کی آنکھوں کے سامنے متحرک ہو جاتا ہے۔ یہ خصوصیت ان کے کلام کو محض وعظ یا نصیحت بننے سے روکتی ہے اور اسے اعلیٰ درجے کی تخلیقی و جمالیاتی لکیروں سے آراستہ کرتی ہے۔

لالہ صحرائی کی فنی چنگی کا تذکرہ علامہ اقبال کے اسلوب سے ان کے گہرے تخلیقی رشتے کے بغیر ادھورا ہے۔ لالہ صحرائی نے اقبال کے شکوہ الفاظ اور نظریاتی ابلاغ کو اپنے دھیمے صوفیانہ لہجے کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کیا کہ ان کا اپنا ایک الگ اور معتبر اسلوب بیان وجود میں آیا۔ الفاظ کی بندش میں جتنی، خیالات کا تسلسل اور اچھوتے تلازمات کا استعمال یہ ثابت کرتا ہے کہ لالہ صحرائی اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ایک پختہ مشق اور صاحب طرز شاعر ہیں، جن کا فن وقت کی دھول میں گم ہونے کے بجائے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اسلوب اور فکری انفرادیت

لالہ صحرائی کے اسلوب کی سب سے بڑی فکری انفرادیت حکیم الامت علامہ اقبال کے افکار سے ان کی گہری ذہنی اور روحانی وابستگی ہے۔ تنقیدی زاویے سے دیکھا جائے تو انہوں نے اقبال کے فلسفہِ خودی اور مردِ مومن کے تصور کو اپنی حمد و نعت کا فکری محور بنایا۔ ان کا قلمی نام 'لالہ صحرائی' خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ صحرائے کونیا کی مانند مادی دنیا کی کشمکشوں سے دور، تنہائی میں بھی اپنے باطن کی آگ کو مدحت رسول ﷺ کے لیے جلانے رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں روایتی خائفانہ تصوف کے برعکس ایک ایسا متحرک اور بیدار صوفیانہ اسلوب ملتا ہے جو انسان کو مجاہد سے نکال کر عملِ پیہم کی طرف راغب کرتا ہے۔

لالہ صحرائی کا اسلوب بیان روایتی شعری ثقیل، بوجھل اور عربی و فارسی کے مفراط استعمال سے پاک ہے۔ انہوں نے اپنے مدحیہ کلام کے لیے انتہائی فصیح، سلیس اور عام فہم زبان کا انتخاب کیا تاکہ ان کا پیغام نعت معاشرے کے ہر طبقے تک آسانی سے پہنچ سکے۔ ان کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ انتہائی سادہ الفاظ کی بندش سے بھی ایسا سحر انگیز صوتی آہنگ اور خیالات کا تسلسل پیدا کرتے ہیں جو قاری کے دل پر سیدھا اثر کرتا ہے۔ وہ صنفِ نعت کو غزل کی روایتی شوخی اور مجازی اصطلاحات سے محفوظ رکھتے ہوئے ایک ایسا دھیما اور سنجیدہ لہجہ عطا کرتے ہیں جو اس صنف کے تقدس کا عین تقاضا ہے:

"نعت کا لب پر ترانہ چاہیے
مغفرت کا اک بہانہ چاہیے" (۱۱)

لالہ سحرانی کا فکری کیونٹو اپنے معاصر نعتیہ شعر اسے یوں منفرد ہے کہ وہ نعت کو صرف ایک مابعد الطبیعیاتی اور فرد کے ذاتی عقیدے کے اظہار تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے اسلوب میں ایک آفاقی اور اجتماعی تڑپ پائی جاتی ہے۔ وہ مابعد جدید دور کے انسان کی روحانی تنہائی، اخلاقی انحطاط اور امت مسلمہ کے موجودہ سیاسی و سماجی زوال کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی فکری انفرادیت اس بات میں ہے کہ وہ ان تمام عصری بحر انوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں اور ان کا واحد حل دیارِ مصطفیٰ ﷺ کی غلامی اور اسوۂ حسنہ کی عملی پاسداری میں دکھاتے ہیں۔ یہ اسلوب ان کی نعت کو محض ایک صنفِ سخن نہیں بلکہ ایک فکری تحریک بنادیتا ہے۔

لالہ سحرانی کے اسلوب کا سب سے خوبصورت پہلو لفظ کی حرمت اور باطنی سجدہ ریزی کا وہ تسلسل ہے جو ان کے شعری سفر کے عنوان "قلم سجدے سے لالہ زارِ نعت تک" کو سچ ثابت کرتا ہے۔ ان کے ہاں تخلیقی عمل کا آغاز فکری طہارت اور قلبی اخلاص سے ہوتا ہے۔ وہ نعت گوئی کو ایک وظیفہ حیات اور عبادت کا درجہ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے مصرعوں کے مابین پایا جانے والا عجز و انکسار اور سچی تڑپ قاری کو وقتی جذباتی رو میں بہانے کے بجائے ایک مستقل فکری خود احتسابی کی دعوت دیتی ہے۔ یہی باوقار متانت اور فکری پختگی لالہ سحرانی کے کلام کو اردو کے مذہبی اور کلاسیکی ادب میں ایک پائیدار اور ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

لالہ سحرانی کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کے افکار سے گہرا اثر لیا ان کے اسلوب کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

سادگی و پرکاری:

لالہ سحرانی مشکل اور ثقیل الفاظ کے بجائے عام فہم مگر پر امید اور با اثر زبان استعمال کرتے ہیں۔ لالہ سحرانی کا اسلوب بیان کا ایک اور ممتاز تنقیدی رخ ان کی شاعری میں موجود سادگی اور پرکاری کا وہ نمایاں امتزاج ہے جو صرف مشاق قلم کاروں کے ہاں ہی نظر آتا ہے۔ وہ بظاہر انتہائی سلیس، رواں اور عام فہم الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں، مگر ان کی یہ سادگی اپنے اندر ایک گہرا فکری شکوہ اور معنویت کا سمندر چھپائے ہوئی ہے۔ تنقیدی زبان میں اسے "سہل ممتنع" کے قریب تر مانا جاسکتا ہے، جہاں مصرعے کا ظاہری ڈھانچہ اتنا سادہ ہوتا ہے کہ قاری اسے فوراً اپنے دل میں اتار لیتا ہے، لیکن جب اس کی فنی تلازمات کی گہرائی کا جائزہ لیا جائے تو شاعر کی پختہ کاری اور فنکارانہ چابکدستی دنگ کر دیتی ہے۔ ان کی یہ پرکاری نعت کے تقدس اور وقار کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں عجز و انکسار کا ایسا رنگ بھرتی ہے جو وقتی اثر کے بجائے قاری کے وجدان پر مستقل نقش چھوڑ جاتا ہے:

"نعت کا لب پر ترانہ چاہیے
مغفرت کا اک بہانہ چاہیے" (۱۲)

عصر حاضر سے ربط:

لالہ سحرانی کی نعتیہ کائنات کا ایک انتہائی اہم اور جدید تنقیدی رخ یہ ہے کہ ان کا کلام محض ماضی کی یادوں یا مابعد الطبیعیاتی تصورات میں گم نہیں رہتا، بلکہ اس کا عصر حاضر کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی بحر انوں سے گہرا فکری ربط ہے۔ وہ دورِ جدید کے انسان کی داخلی تنہائی، مادی فلسفوں کی یلغار اور امت مسلمہ کے موجودہ فکری و نظریاتی زوال کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ تنقیدی زاویے سے دیکھا جائے تو انہوں نے نعت کو صرف ایک روایتی عقیدت کا وظیفہ نہیں بنایا، بلکہ اسے دورِ حاضر کی فکری آوارگی کے خلاف ایک پائیدار فکری مورچے کے طور پر پیش کیا۔ وہ مسلم معاشرے کی اخلاقی پستی کا نوحہ لکھتے ہوئے مایوسی پھیلانے کے بجائے، اس کا واحد علاج اور مداوا اسوۂ حسنہ کی عملی پیروی اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف مراجعت میں دکھاتے ہیں، جو ان کی نعت گوئی کو ایک عالمگیر اور متحرک ابلاغی قوت عطا کرتا ہے۔ ان کی نعتیں پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے موجودہ زوال پر تڑپ رہے ہیں اور اس کا علاج عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور اتباعِ سنت میں تلاش کرتے ہیں:

"میں خود پر خدا کا کرم دیکھتا ہوں
تصور میں ہر دم حرم دیکھتا ہوں" (۱۳)

تسلل اور وارفتگی:

لالہ سحرانی کے حمدیہ و نعتیہ کلام کی ایک نمایاں فنی و جمالیاتی خوبی فکری تسلسل اور قلبی وارفتگی کا وہ لازوال بہاؤ ہے جو پڑھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ یہ اسلوبیاتی تسلسل ان کی اس دلی وارفتگی اور عشقِ صادق کا نتیجہ ہے جو مدحت نگاری کے دوران ان کے پورے وجود پر طاری رہتی ہے۔ وہ جب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے بیٹھتے ہیں، تو ان کا قلم مادی دنیا کے قیدو سے آزاد ہو کر ایک خاص وجدانی رو میں بہنے لگتا ہے، جس سے پورے کلام میں ایک اندرونی موسیقی اور صوتی آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وارفتگی ان



کی نعتوں کو خشک بیانے سے بچا کر ایک ایسا صوفیانہ سوز و گداز عطا کرتی ہے جو قاری کے باطن میں اتر کر رقت طاری کر دیتا ہے۔ ان کی بحر میں ایک خاص قسم کا ترنم ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

لالہ سحرائی کی حمدیہ و نعتیہ کلام کاسب سے منفرد اور امتیازی وصف وہ باطنی خلوص اور عجز کامل ہے جو ان کی فکر کو روایتی ملمع کاری سے جدا کرتا ہے۔ تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو انہوں نے صنفِ نعت اور حمد کو محض ایک ادبی تفریح یا فنی مہارت دکھانے کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ ان کا کلام ان کے سچے قلبی عقیدے کا آئینہ دار ہے۔ ان کے ہاں سستی شہرت حاصل کرنے کی تڑپ کے بجائے ایک گہرا صوفیانہ دھیما پن پایا جاتا ہے، جہاں قلم اٹھاتے ہی شاعر کا پورا وجود عجز و انکسار کی تصویر بن جاتا ہے۔ یہی فکری طہارت ان کے کلام میں ایک ایسا سحر پیدا کرتی ہے جو قاری کو لفظوں کی ظاہری چمک دمک میں الجھانے کے بجائے براہِ راست معرفتِ الہی اور محبتِ رسول ﷺ کی حقیقی گہرائی سے روشناس کراتی ہے:

"مل گیا میرے نبیؐ کا اسوۂ کامل مجھے
میں پریشاں تھا مگر اب مل گئی منزل مجھے" (۱۴)

نعتیہ و حمدیہ ادب کی میزان پر لالہ سحرائی کی ایک بڑی انفرادیت یہ ہے کہ وہ مدحت نگاری کے دوران جذبات کی شدید طغیانی کے باوجود فنی توازن اور حدودِ شرع کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اردو نعت کو غزل کی روایتی شوخی، عربی اور مجازی تلازمات کے بوجھل پن سے پاک رکھ کر اسے ایک نئی جمالیاتی پاکیزگی عطا کی۔ وہ ایک ہی وقت میں انتہا درجے کی قلبی شینگی اور حبِ رسول ﷺ کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں اور توحید و رسالت کے مقدس مراتب کا فرق اتنی باریکی سے قائم رکھتے ہیں کہ کہیں بھی لغزش کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یہ فنی چنگی اور نظریاتی احتیاط انہیں اپنے بہت سے ہم عصر شعرا میں ایک ممتاز اور معتبر پاسبانِ ادب کے طور پر نمایاں کرتی ہے۔

لالہ سحرائی کے کلام کا اسلوبیاتی وصف بیانے کی مٹھاس ہے جو ان کے مصرعوں کے تار و پود میں رچی بسی ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی فکری روایت سے نظریاتی توانائی حاصل کی، مگر اپنے لہجے کو ہمیشہ رقت آمیز، پر امید اور مخلصانہ رکھا۔ ان کی منتخب کردہ بحر اور قوافی کے باہمی ملاپ سے کلام کے اندر ایک ایسی قدرتی موسیقی اور تسلسل پیدا ہوتا ہے جو پڑھنے والے کے دل پر رقت طاری کرتا ہے۔ الفاظ کا دھیما بہاؤ اور اچھوتے ادبی پیکر ان کی نعتوں کو خشک و غلط بننے سے محفوظ رکھتے ہیں، جس کی بدولت ان کا پیغامِ نعت انسانی وجدان میں اتر کر ایمان کی شمعیں روشن کرنے کا ایک دائمی اور معتبر ذریعہ بن جاتا ہے۔

"قلمِ سجدے سے لالہ زارِ نعت تک" کا سفر محض دو شعری مجموعوں کا نام نہیں، بلکہ یہ لالہ سحرائی کے باطنی ارتقا اور تخلیقی سفر کی ایک آفاقی فکری جہت ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ عنوان شاعر کے اس صوفیانہ عقیدے کو آشکار کرتا ہے جہاں تخلیقِ ادب کا آغاز ہی فکری طہارت اور خدا کے حضور مکمل خود سپردگی سے ہوتا ہے۔ ان کا قلم جب بارگاہِ الہی میں عجز و انکسار کے سجدے بجالاتا ہے، تو اس کی فکری جڑیں اتنی مضبوط ہو جاتی ہیں کہ وہ عرفانِ خداوندی کی حدود سے گزر کر حبِ مصطفیٰ ﷺ کے شاداب اور سحر انگیز گلستان میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ سفر ایک فنکار کے مادی کثافتوں سے پاک ہو کر صنفِ نعت کے اعلیٰ ترین روحانی مقامات تک پہنچنے کی سچی داستان ہے۔

لالہ سحرائی کا یہ شعری سفر توحید اور رسالت کے مابین قائم اس مابعد الطبیعیاتی اور اسلوبیاتی تسلسل کا عکاس ہے جو اسلامی فکر کا بنیادی مرکز ہے۔ انہوں نے اپنے اس سفر میں واضح کیا کہ جب تک قلم "سجدے" کی طہارت اور شرعی آداب سے واقف نہ ہو، وہ "لالہ زارِ نعت" کی خوشبو بکھیرنے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ ان کے ہاں حمدیہ بحر اور نعتیہ مدحت ایک دوسرے سے جدا نہیں، بلکہ ایک ہی نور کے دو مظاہر ہیں۔ ان کا اسلوب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے مابعد جدید دور کے فکری انتشار کے برعکس ایک ایسا متوازن تخلیقی راستہ چنا، جہاں خدا کی عظمت کا اعتراف اور رسولِ عربی ﷺ سے والہانہ عقیدت مل کر انسانی روح کے لیے ایک صوفیانہ نظامِ حیات بن جاتے ہیں۔

اس تخلیقی و فکری سفر کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ لالہ سحرائی نے اپنے قلم کی جولانیوں کو عارضی دنیاوی مفادات یا سستی جذباتی واہ واد کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا، بلکہ ان کے سفر کی آخری معراج امتِ مسلمہ کے لیے ابدی فلاح کا ابلاغ ہے۔ "قلمِ سجدے" سے شروع ہونے والی فکر جب "لالہ زارِ نعت" پر پہنچتی ہے، تو وہ محض الفاظ کا گورکھ دھند نہیں رہتی، بلکہ اسوۂ حسنہ اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی عملی پیروی کا ایک متحرک آفاقی بیانیہ بن جاتی ہے۔ یہ سفر ثابت کرتا ہے کہ لالہ سحرائی اردو ادب کے ان چیدہ چیدہ پختہ کار شعرا میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی، فکری توانائیاں اور فنی محاسن بارگاہِ خداوندی اور دربارِ رسالت ﷺ کے تقدس کے لیے وقف کر دیے، اور آنے والی نسلوں کے لیے مدحت نگاری کا ایک بے عیب اور معتبر معیار قائم کیا۔

"قلمِ سجدے سے لالہ زارِ نعت تک" کا سفر دراصل ایک سچے مومن اور مخلص ادیب کے باطنی ارتقا کا سفر ہے۔ لالہ سحرائی نے اپنی حمد و نعت کے ذریعے اردو شاعری کو نہ صرف مقصدیت اور وقار عطا کیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے مدحت نگاری کے اعلیٰ معیار قائم کیے۔ ان کی حمدیہ و نعتیہ خدمات اردو کے مذہبی ادب میں ہمیشہ ایک روشن مینار کی طرح چمکتی رہیں گی اور ان کا کلام دلوں میں ایمان کی شمعیں روشن کرتا رہے گا۔

حوالہ جات

- ۱۔ محمد صادق (۱۹۹۳)، (لالہ صحرائی)، قلم سجدے، کراچی: ادارہ مطبوعات تکبیر ص ۲۹
- ۲۔ ایضاً، ص ۳۱
- ۳۔ ایضاً، ص ۴۱
- ۴۔ ایضاً، ص ۴۴
- ۵۔ ایضاً، ص ۵۱
- ۶۔ محمد صادق (۱۹۹۱)، (لالہ صحرائی)، لالہ زار نعت، ملتان: مکتبہ اہل قلم، ص ۱۳
- ۷۔ ایضاً، ص ۱۵
- ۸۔ ایضاً، ص ۱۷
- ۹۔ ایضاً، ص ۱۹
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۲۴
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۲۶
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۳۱
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۴۳
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۴۶

